Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر01، جون-2025

اقبال کے تصورِ خودی کا عمرانی پہلو: تحقیدی مطالعہ

The Social Aspect of Iqbal's Concept of "Khudi": A Critical Study

ڈاکٹر محمد عامر اقبال
پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلوشپ اسکالر، آئی آر آئی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ

Dr Muhammad Amir Iqbal
Post-Doctoral Fellowship Scholar, IRI, IIUI
Assistant Professor, Urdu Department, University of Sialkot, Pakistan

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2025 by the authors. This is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract

One of Iqbal's most important philosophical ideas is his concept of "Khudi" (selfhood). From a sociological perspective, the influence of "Khudi" can be seen in every aspect of life. To awaken the nation, Iqbal wrote this epic poem. A study of Iqbal's thought reveals that any action that contributes to the development of "Khudi" is considered a virtue. A person must nurture their selfhood in a specific manner. This can only be achieved through the cultivation and training of "Khudi." Interpreting Iqbal's philosophy of "Khudi" in a sociological context is an essential need of our time. Being aware of the different social classes and fostering a sense of innovation promotes the highest sociological thoughts. It is the individuals who, through the study of sociology, can identify new possibilities in industry and craftsmanship and remove the obstacles that hinder progress. The themes in "Asrar-e-Khudi" (The Secrets of the Self) are crucial sources for the promotion of sociological qualities at both individual and collective levels. In the explanation of the contours of an Islamic society, Ibn Khaldun's Muqaddimah (Introduction) and Tarikh Ibn Khaldun (History of Ibn Khaldun) hold a classic status in Islamic sociology, while in the West, philosophers like Karl Marx, Émile Durkheim, and Max Weber considered the stability of society, belief, and free thought as the essence of

human society. Iqbal's concept of "Khudi" is derived from Islamic teachings and the Quran. He was not influenced by Western philosophers but by Sufis. A study of Iqbal's ideas reveals that his thought reflects an awareness of the issues facing the Muslim community. Iqbal's Sufi interpretation of Islam differs from that of traditional Sufis. If Iqbal was influenced by the philosophy of some thinkers, he has explained why, and if he opposed the ideas of certain Sufis, he has made that clear as well. The sociological dimension of Iqbal's concept of "Khudi" opens new paths for research and critique.

Key words: Khudi. Sociology, Industry and Crafts, Society, liberalism, Sufism.

تلخیص: اقبال کے اہم ترین فکر و فلسفہ کو "خودی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عمرانی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو زندگی کے ہر پہلو میں خودی کا اثر کارفرما دکھائی دے گا۔ اقبال نے قوم کو بیدار کرنے کے لیے یہ مثنوی لکھی۔ فکرِ اقبال کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ "خودی" کو ترقی دینے میں کام آنے والا ہر عمل ایک فضیلت ہے۔ آدمی اپنی خودی کو خاص ترتیب سے پروان چڑھائے۔ یہ سب کچھ خودی کی پرورش اور تربیت سے ممکن ہے۔ علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کی تعبیر کو عمرانی تناظر میں دیکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ معاشرے کے مختلف طبقات سے آگاہ ہونا اور جدت کا شعور پیدا کرنا اعلیٰ ترین عمرانی افکار کو فروغ دیتا ہے۔ افراد ہی ہیں جو عمرانیات کے مطالعے سے صنعت و حرفت کے روشن امکانات تلاش کر کے حائل رکاوٹوں کو دور کر سکتے ہیں۔ "اسرارِ خودی" کے موضوعات انفرادی اور اجتماعی، ہر سطح پر عمرانی صفات کے فروغ کا اہم ترین مآخذ ہیں۔ اسلامی معاشرے کے خدوخال کی تشریح میں ابن خلدون کا مقدمہ اور تاریخ ابن خلدون کو اسلامی عمرانیات میں کلاسک کی حیثیت حاصل ہے جبکہ مغرب میں کارل مارکس، ایمائیل ڈرکھیم اور میکس ویبر نے معاشرے کے استحکامِ عمل، عقیدے اور آزاد خیالی کو انسانی سماج کا جوہر قرار دیا۔ اقبال کا نظریہ خودی اسلامی تعلیمات اور قرآن سے ماخوذ ہے۔ وہ مغرب کے فلسفیوں سے نہیں بلکہ صوفیا سے متاثر تھے۔ فکرِ اقبال کے موضوعات کا مطالعہ یہ نتیجہ اخذ کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ملت کے مسائل کا شعور پوشیدہ ہے۔ اقبال کی صوفیانہ تعبیرِ اسلام روایتی صوفیہ کی تعبیر سے مختلف ہے۔ اقبال اگر مفکرین کے فکر و فلسفہ سے متاثر ہوئے ہیں تو اس کی وجہ بھی بیان کی ہے اور اگر کسی کے صوفیانہ افکار سے مخالفت کی ہے تو وہ بھی واضح کیا ہے۔ اقبال کے تصورِ خودی کا عمرانی پہلو تحقیق و تنقید کی نئی راہیں استوار کرتا ہے۔

Research Journal
Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر01، جون-2025

کلیدی الفاظ: خودی، عمرانیات، صنعت و حرفت، معاشرہ، آزاد خیالی، تصوف۔

دانائے راز، حکیم الامت اور ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال عالم گیر اور عہد آفریں شخصیت تھے۔ ان کا کلام آفاقی شہرت رکھتا ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ فکرِ اقبال تصورات اور خیالات کا طوفان برپا کر دیتا ہے۔ اقبال جیسا مفکر ہزار ہا سال بعد ہی جنم لیتا ہے۔ اقبال کے دل میں اضطراب رہتا تھا۔ اقبال کا سینہ غزالانِ افکار کا مرغزار تھا۔ وہ اردو اور فارسی زبان کے غیر معمولی اور بے نظیر شاعر تھے۔ اس کے ساتھ وہ عظیم مفکر بھی تھے اور عمدہ فلسفی بھی۔ ان کے دل میں شمع نفس فروزاں تھی۔ شاعری ایک لطیف اور موثر فن ہے۔ اس کے ذریعے سے شاعر موزوں اور پر ترنم الفاظ سے کام لیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنے میں کامیاب رہتا ہے۔ شاعر بھی دو قسم کے نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جو خیالات یا جذبات کے اچھے یا برے اثرات سے قطع نظر جو جی میں آتا ہے اُگل دیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو شعر و ادب کی قوت سے انسانی زندگی کو بہتر بنانے اور اسے مسلم اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ کرنے کے لیے استعمال میں لاتے ہیں۔ اقبال کا تعلق اس دوسرے گروہ سے ہے۔ ان کے ذہن میں افکار کا روشن قندیل موجود تھا۔ انھوں نے اپنی نظم و نثر دونوں کو "ادب برائے زندگی" کے مصداق بنایا۔ وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ انھوں نے ایک عظیم مدبر اور مصلح کے طور پر مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور تمام انسانوں کے لیے بالعموم بہت دل سوزی اور ہم دردی کا اظہار کیا۔ انھوں نے اپنے پیغام کے ابلاغ کے لیے واعظ یا ناصح کا گھِسا پِٹا روایتی ش رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ اپنے اصلاحی تفکرات کو خطیبانہ، حکیمانہ اور فلسفیانہ صورت میں پیش کیا۔ یہ تدبرات نظم و نثر دونوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ اقبال کے اہم ترین فکر و فلسفہ کو "خودی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عمرانی نکتہ نگاہ سے دیکھا جائے تو زندگی کے ہر پہلو میں خودی کا اثر کار فرما دکھائی دے گا۔

اقبال نے اپنے ڈاکٹریٹ کے لیے تصوف کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ فلسفۂ خودی اس تحقیق کے دوران ہی اقبال کے ذہن میں مضبوط بنیاد کا باعث ثابت ہوا۔ اقبال نے اپنی مثنوی "اسرارِ خودی" میں اسے مفصل طور پر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد پوری زندگی وہ اس فلسفے کی نت نئی صورتیں واضح کرتے رہے۔ اقبال کے نزدیک انسان کے جملہ کمالات کا مظہر "خودی" ہی ہے۔ بادِ صبح گاہی نے اقبال کو پیام دیا کہ خودی کے عارفوں کا مقام پادشاہی ہے۔ یہی زندگی کا راز ہے اور فرد کی آبرو اسی سے قائم و دائم ہے۔ اگر افراد خودی کا دامن تھام لیں تو بلند مقام و مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں اور اگر ایسا کرنے میں کاہلی کا مظاہرہ کریں تو روسیاہی ان کا بخت ٹھہر جاتی ہے۔ مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال خودی سے وابستہ ہے۔ اقبال نے خودی کو کتاب کہا ہے اور تمام اس کی تفسیریں ہیں۔

اقبال کا پہلا شعری مجموعہ کلام جو فارسی زبان میں منظر عام پر آیا1915ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ اسرار خودی کا پورا کلام مثنوی کی صورت میں ہے۔ اسرار خودی کی وجہ سے اقبال مفکر شاعر کے طور پر تسلیم کیے گئے۔ خودی اقبال کی شخصیت کا جزو اور شناخت بن گئی۔ اقبال کے فلسفہ خودی میں انسانوں کی بقا کا راز مضمر ہے۔ اور قوموں کی آبرو مندی کا نسخۂ شفا بھی خودی میں پوشیدہ ہے۔اس مثنوی کا آغاز اقبال نے 1911ء میں کر دیا تھا۔ عطیہ بیگم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "قبلہ والد صاحب نے فرمائش کی ہے کہ حضرت بو علی قلندر کے طرز پر ایک فارسی مثنوی لکھوں۔ اسی راہ کی مشکلات کے باوجود میں نے کام شروع کر دیا ہے"(1)

اقبال نے کچھ اشعار بھی لکھ کر عطیہ فیضی کو بھجوائے۔ وہ اشعار اسرار خودی میں شامل ہیں۔ صرف یہ خط ہی" اسرار خودی "کی اشاعت کا باعث نہیں بلکہ اور بھی بہت سے محرکات ایسے ہوں گے جو مفکر شاعر کو اس بات پر مجبور کرتے ہوں گے کہ غلام اور غافل قوم کی بیداری کے لیے کوئی نسخہ شفا پیش کیا جائے۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> "محض اتنی سی بات مثنوی کا محرک نہ تھی۔ سہ سالہ قیام یورپ، سلطنت عثمانیہ کا بکھرتا ہوا شیرازہ، ملت اسلامیہ کا عمومی زوال وانحطاط اور ان سب کے نتیجے میں وہ ذہنی کرب و اضطراب، جو کسی حد تک "شکوہ" اور "شمع و شاعر" جیسی نظموں اور اس زمانے کے خطوط (بطور خاص مکاتیب بنام اکبر الہ آبادی) میں ظاہر ہوا، اسرار خودی کا اصل محرک ہے۔ والد اقبال کو البتہ فوری محرک قرار دیا جا سکتا ہے"(2)

اس طرح اقبال نے قوم کو بیدار کرنے کے لیے یہ مثنوی لکھی۔ بیسویں صدی کی نظمیہ شاعری میں سب سے زیادہ مقبولیت مثنوی "اسرار خودی" کو ملی۔ علامہ محمد اقبال کا نام زبان پر آتا ہے تو تصور میں ایک بردبار اور مفکر شخصیت شاعری کی بلند و بالا چٹان پر مضبوطی سے قدم جمائے کھڑی دکھائی دیتی ہے۔زندگی کے ہر تعمیری موضوع پر ان کی گرفت اتنی عالمانہ ہے کہ ان کی تحریروں کو سمجھنے کے لیے پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑتا ہے۔فکرِ اقبال کے شاعرانہ موضوعات میں بہت ہی اہم عنوان "خودی" ہے۔ یہ فارسی لفظ "خود" سے بنا ہے۔اقبال نے اس اصطلاح کو شخصیت، ذات، انا اور (Ego) کے معانی میں استعمال کیا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔(1) اپنی ذات کا شعور اور ادراک ۔ (2) غرور اور تکبر۔ فکرِ اقبال کی وسعت سے پہلے یہ لفظ غرور اور تکبر کے

معنوں میں بولا جاتا تھا۔ اقبال نے خودی کو اپنی "ذات کا شعور" کے معنوں میں استعمال کیا اور اس معنی کو محمود قرار دیا۔ اگر خودی کے لفظ کو سمجھ لیا جائے تو فکرِ اقبال کو سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔ اقبال نے خودی کو اپنے کلام میں مرکزی حیثیت دی ہے۔ خودی کے جو معنی مختلف زبانوں میں نظر سے گزرتے ہیں ان کو ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے مضمون "اقبال اور صوفی۔ خودی سے بے خودی تک" میں یک جا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے یہ قول:

> "اقبال کی خودی کیا شے ہے؟ اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ سب کچھ ہے۔ انھوں نے مختلف موقعوں پر اس کے الگ الگ (گو ایک دوسرے کے قریب قریب) معنی بیان کیے ہیں۔ مثلاً خودی خود حیات کا دوسرا نام ہے۔ خودی سے مراد خود آگاہی ہے۔ خودی عبادت ہے۔ خودی ذوقِ طلب ہے۔ خودی ایمان کے مترادف ہے۔ خودی سرچشمۂ جدت و ندرت ہے۔ خودی یقین کی گہرائی ہے۔ خودی سوزِ حیات کا محور ہے۔ خودی ذوقِ تخلیق کا ماخذ ہے۔ غرض اس قسم کے کئی معانی اور صفات خودی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ سب اسبات خودی کی صورتیں ہیں جو ہر چیز کی اگلی منزلوں کی طرف محرک ثابت ہو رہی ہیں" (3)

اقبال کے فلسفۂ خودی کو ماہرین نے مختلف لوگوں کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ ہیگل سے لیا گیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ نطشے کا نظریہ ہے۔ کوئی اسے برگساں اور کوئی لائیڈ مارتھر سے منتھی کرتا ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خودی کی پہلی جھلک پہلا تخیل مغرب کے تین ماخذوں سے اقبال کو حاصل ہوا۔ ان میں پہلا ماخذ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے سینٹ کا ساتھیالوجی ہے اور دوسرا ہیگل کا فلسفہ ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اقبال کے یہاں "فوق الانسان" شخصیت (سپر مین) یا مردِ کامل کا تصور موجود ہے۔ یہ جرمن فلاسفر نطشے کے نظریہ فوق الانسان سے لیا گیا ہے۔ اقبال کے نزدیک "خودی" ایک لازوال حقیقت ہے اور وہی قومیں اور وہی افراد اصل معنی میں عزت اور وقار حاصل کرتے ہیں جن کی انفرادی اور اجتماعی خودی مضبوط ہو۔ خدائی کی تلاش ہو تو خودی کے گم شدہ جزیرے میں دیکھو۔ خودی کی شوخی و تندی میں نہ تو کبر ہے اور نہ ہی ناز اور اگر ناز ہے بھی تو وہ بھی بے لذتِ نیاز نہیں ہے۔ اقبال نے اسرارِ خودی کے دیباچے میں لفظ خودی کے یہ معنی بیان کیے ہیں:

> "یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا بلکہ جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم محض احساسِ نفس یا تعینِ ذات ہے" (4)

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 01، جون-2025

خودی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے اقبال نے ایسے امور بھی قلم بند کیے جو فضائل کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ فکرِ اقبال کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ "خودی" کو ترقی دینے میں کام آنے والا ہر عمل جو معاون ہو، عمدہ اور ایک طرح کی فضیلت ہے۔ اس کے مقابل خودی کو کمزور کرنے والا اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بننے والا کام ایک اخلاقی خرابی ہے۔ فکرِ اقبال کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آدمی کا جسم مٹی کا بنا ہے اور مٹی کے اس جسم میں ایک ایسی آگ پیدا ہو سکتی ہے کہ جو اللہ کے سوا ہر چیز کو جلا دے۔ اس کے لیے اقبال نے شرط یہ رکھی ہے کہ آدمی اپنی خودی کو خاص ترتیب سے پروان چڑھائے۔ یہ سب کچھ خودی کی پرورش اور تربیت سے ممکن ہے۔

علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کی تعبیر کو عمرانی تناظر میں دیکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اانسان کی سماجی زندگی کے حوالے سے تمام علوم عمرانیات میں ہم آغوش ہو جاتے ہیں۔ معروف یونانی فلسفی اور سائنس دان "ارسطو" نے کہا تھا کہ انسان فطری طور پر سماجی جانور ہے جس کا گزارا معاشرے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی خود کو معاشرے سے بیگانہ رکھتا ہے وہ یا تو حیوان ہے یا پھر دیوتا۔ فرانسیسی فلسفی "روسو" نے اپنے عمرانی معاہدے میں فرد کی انفرادیت کو فوقیت دیتے ہوئے کہا کہ فطرت نے اسے آزاد پیدا کیا لیکن معاشرے نے اسے زنجیروں میں جکڑ دیا۔ معاشرے میں رہتے ہوئے انسان کے کچھ فرائض اور سماجی ذمہ داریاں بھی ہیں جس کے بطن سے عمرانیات نے جنم لیا۔ عمرانیات کا دائرہ کار اور اثر و نفوذ کچھ اس طرح سامنے آتا ہے کہ عمرانیات کی نظر سے معاشرے کی ثقافتی اقدار کو سمجھ کر اور ان کا احترام کرتے ہوئے باہمی محبت و بھائی چارے کو پروان چڑھایا جائے۔ افراد کے ساتھ میل جول کے ذریعے ہم رکاب اور ہمنوا گروہ تخلیق پاتے ہیں۔ اس طرح عمرانیات کے سماجی تصور میں اتحاد و اتفاق کا ماحول پروان چڑھتا ہے۔ ہر فرد جو ملت کے مقدر کا ستارہ ہے وہ افراد کے ہجوم میں اپنی شناخت کھو کر "خودی" سے "بے خودی" کے بے مثال معاشرے کا رکن بن جاتا ہے اور اجتماعی رویوں کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔ معاشرے کے مختلف طبقات سے آگاہ ہونا اور جدت کا شعور پیدا کرنا اعلیٰ ترین عمرانی رویوں کو فروغ دیتا ہے۔ کوئی مذہب بھی آپس میں بیر رکھنا نہیں سکھاتا۔ یہ افراد ہی ہیں جو مذہب کا مطالعہ کر کے مذہبی اقدار پروان چڑھاتے ہیں۔ جرائم کی نفسیات جان کر اصلاحِ احوال کی سعی کرتے ہیں۔ کارپوریٹ کلچر کی سماجی ذمہ داری و اخلاقیات کو جانتے ہیں۔ سماجی و سیاسی تحریکوں کے اسباب کا مطالعہ کر کے مثبت اقدار کو اجاگر کرتے ہیں۔ فکرِ اقبال کے

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 01، جون-2025

"تصورِ خودی" میں اسرارِ خودی کے جو عکس دکھائی دیتے ہیں وہاں یہ بات واضح طور پر عیاں ہے کہ اقبال نے آفتابوں پر کمند ڈالنے کی ترغیب دی خود یہ اعلان کیا کہ لاکھ صبحیں اس کی مٹھی میں بند ہیں۔ یہ عمرانی پہلو معاشرے کے فروغ کا باعث ثابت ہو سکتا ہے اگر افراد میں جہدِ مسلسل کا سکہ بیٹھ جائے۔ وہ افراد ہی ہیں جو عمرانیات کے مطالعے سے صنعت و حرفت کے روشن امکانات تلاش کر کے حائل رکاوٹوں کو دور کر سکتے ہیں۔ فکرِ اقبال کا مطالعہ ان کی راہیں دیکھ رہا ہے۔ اقبال کے لبوں پر یہ دعا ایک تمنا بن کر جاری ہوئی کہ راہ سے بھٹکے ہوئے افراد کو میری کٹیا دکھا دے آسماں پر ہر سو بادل گھرے ہیں۔ آج کا انسان اپنی اصل کھو بیٹھا ہے۔ اپنی حقیقت سے آشنا نہ رہا۔ اقبال کی کٹیا دراصل فکرِ اقبال کا خزانہ ہے جس کے مطالعہ کی اقبال نے دردمندی سے تمنا کی ہے۔ یہ عمدہ معاشرے کی تشکیل کا اہم ترین پہلو ہے جو افراد کی تربیت سے ہی ممکن ہے اور اقبال کا "فلسفۂ خودی" کا تعلق ہی افراد کی تربیت سے ہے اس لیے "اسرارِ خودی" کے موضوعات انفرادی اور اجتماعی، ہر سطح پر عمرانی صفات کے فروغ کا اہم ترین ماخذ ہیں۔ اسلامی معاشرے کے خدوخال کی تشریح میں ابن خلدون کا مقدمہ اور تاریخ ابن خلدون کو اسلامی عمرانیات میں کلاسک کی حیثیت حاصل ہے جبکہ مغرب میں کارل مارکس، ایمائیل ڈرکھیم اور میکس ویبر نے معاشرے کے استحکامِ عمل، عقیدے اور آزاد خیالی کو انسانی سماج کا جوہر قرار دیا۔ دنیا بھر کے ممالک مختلف ثقافتی و مذہبی رشتوں میں جڑے ہوئے ہیں جس میں دولت و اشیا پر مبنی معاشی مفادات کے تحت دیگر رشتے پروان چڑھتے ہیں۔ اس میں سیاسی، معاشی و ثقافتی نیٹ ورک کے ساتھ ہیومن کیپیٹل (انسانی سرمایہ) بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک معاشرے میں ماہر عمرانیات کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے۔ اقبال نے اقتصادیات کے موضوعات پر بھی مدلل مقدمات تخلیق کیے ہیں۔ "اسرارِ خودی" میں کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرنے کا پیغام معاشیات کو مستحکم کرنے کی دلیل ہے۔ اس سے "غیرت" کا رویہ پروان چڑھتا ہے جو اس جہانِ تگ و دو میں بڑی چیز ہے۔ یہی غیرت "انا"، "اپنی پہچان" اور "اسرارِ خودی" کا عمیق نکتہ ہے۔ خودی کے اس عمرانی پہلو کو پروان چڑھا کر معاشرے سے غربت اور بے روزگاری کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے۔ معاشرے کا آئینہ اور ادراک ماہرینِ عمرانیات ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال کو فطرت نے اس صلاحیت سے نوازا تھا جو قطرے میں سمندر دیکھ سکتی ہے۔ فکرِ اقبال کا سرمایہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ہر نکتہ وجد آفریں ہے اور معاشرے کے استحکام کا جزوِ لا ینفک ہے۔

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 01، جون-2025

فلسفۂ سخت کوشی کا براہِ راست تعلق معاشرہ اور افراد سے ہے۔ اس عمرانی پہلو پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ جہاں کاہلی کا شکار ہوئے وہاں معاشرہ زوال کا شکار ہوا۔ امام غزالیؒ کے عمرانی نظریات ہوں، ڈرخائم کا نظریہ خودکشی اور خودکشی کی اقسام کا پہلو ہو یا اس کے معاشرتی استحکام اور اجتماعی ضمیر کے نظریات ہوں۔ شاہ ولی اللہ کے کامل معاشرہ اور امراض معاشرہ کے نظریات ہوں، معاشرتی تبدیلیوں کے بارے میں ابن خلدون کے نظریات ہوں یا آگسٹ کومٹے کے خیالات ہوں، جرم کو معاشرتی مسئلہ سمجھ کر اس کا ادراک، ان سب کی اہمیت اپنی جگہ مگر یہ بھی کم اہم نہیں کہ فکرِ اقبال کے موضوعات عمرانی نکات کے فروغ میں انفرادیت کے حامل ہیں۔ اسلامی معاشرہ کی تشکیلِ جدید فکرِ اقبال کے فروغ سے ہی ممکن ہے اور یہی معاشرہ عمرانیات کا اہم ترین جزو ہے۔

اقبال کی مثنوی "اسرارِ خودی" کے ترجمے کو انگلستان میں غیر معمولی شہرت ملی۔ اس پر تبصرے اور تاثرات بھی سامنے آئے۔ کچھ سے اقبال نے اختلاف بھی کیا۔ اقبال نے ڈاکٹر نکلسن جو مثنوی "اسرارِ خودی" کے مترجم تھے، انہیں خط لکھ کر چند نکات کو واضح کیا۔ علامہ اقبال کے اس خط کی اہمیت یہ ہے کہ اقبال نے اس میں خود اپنے افکار کی توضیح کی ہے اور اپنے فلسفہ سخت کوشی کا دفاع کیا ہے۔ علامہ کے انسان کامل اور نطشے کے فوق البشر کی مشابہت بالکل سطحی ہے، اس سلسلے میں علامہ اقبال نطشے سے زیادہ انگریز فلسفی الیگزانڈر کے قریب ہیں، لیکن الیگزینڈر سے بھی علامہ کافی اختلاف رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے علامہ اقبال کے خط کے اہم نکات کو سمجھنا ضروری ہے۔ بقائے شخصی انسان کی بلند ترین آرزو ہے لیکن نطشے اس کا منکر ہے۔ علامہ کے نزدیک تصادم و پرکار بقائے شخص کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے علامہ سکون و جمود کے خلاف ہیں لیکن تصادم کی سیاسی حیثیت سے زیادہ اس کی اخلاقی حیثیت کے قائل ہیں۔ ان کے فلسفہ سخت کوشی میں بھی یہ پہلو نمایاں ہے۔ مسٹر ڈکنس علامہ کے فلسفے کو عالمگیر مانتے ہوئے بھی اسے محدود و مخصوص قرار دیتے ہیں کیوں کہ اس کے مخاطب مسلمان ہیں۔

عمرانیات میں سوسائٹی یا معاشرہ کا وجود بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اقبال کے خیال میں فلسفے کے انطباق کے لیے کسی نہ کسی سوسائٹی کا انتخاب ضروری ہے۔ اسلام اس کے لیے موزوں ترین ہے کیونکہ خود اس کی عالمگیریت مسلم ہے۔ وہ رنگ و نسل کا مخالف ہے اور انسانیت کے عالمگیر اتحاد کا داعی ہے لیکن ڈکنس کا ذہن اسلام کے بارے میں قدیم یورپی تعصب سے آزاد نہیں ہوا۔ اقبال

کے خیال میں مسلمانوں کی فتوحات کی وجہ سے ان کی سلطنت تو قائم ہو گئی لیکن وہ اقتصادی اصول نشو و نما نہ پا سکے جن کا ذکر قرآن کریم اور احادیث نبویؐ میں آیا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ:

> " میری فارسی نظموں کا مقصود اسلام کی وکالت نہیں بلکہ میری قوت طلب و جستجو تو صرف اس چیز پر مرکوز رہی ہے کہ ایک جدید معاشرتی نظام تلاش کیا جائے اور عقلاً یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں ایک ایسے معاشری نظام سے قطع نظر کر لیا جائے جس کا بین مقصد وحید ذات پات، رتبہ و درجہ، رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دینا ہے۔ اسلام دنیوی معاملات کے باب میں نہایت ژرف نگاہ بھی ہے اور پھر انسان میں بے نفسی اور دنیوی لذائذ و نعم کے ایثار کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اور حسن معاملت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے ہمسایوں کے بارے میں اسی قسم کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یورپ اس گنج گراں مایہ سے محروم ہے۔ اور یہ متاع اسے ہمارے ہی فیض صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے "(5)

اقبال کی مثنویوں کا مقصد اسلام کی وکالت نہیں بلکہ موجودہ عہد میں ایک جدید معاشرتی نظام کی تلاش ہے جس کی ضمانت اسلام ہی دے سکتا ہے۔ "اسرار خودی" کا فلسفہ علماء اور حکماء کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے، اس لیے نطشے کے ساتھ اس کی مشابہت خارج از مکان ہے۔ قرآن میں انسان کی معاش کو بڑی قطعیت سے موضوع بتایا گیا ہے لیکن اہل مغرب اسلامی فلسفے کے اس پہلو سے بالکل بے خبر ہیں۔

اقبال نے انسانی خودی کو بندگی اور عبدیت کے آداب سکھائے ہیں۔ وہ کوششِ پیہم کا سبق دیتے ہیں مگر انسان کو اس کی محدودیت کی طرف بھی ابھارتے ہیں۔ تائید خدائی کی ضرورت ہر لمحہ درکار ہے ورنہ انسان کی عمدہ ترین آرزو کا نتیجہ انتہائی منفی نکلے اور وہ کبھی کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکے۔ فکرِ اقبال میں "خودی" کی انتہائی لطیف صورت سامنے آتی ہے۔ اقبال کا یہ تصور دراصل ام الفضائل ہے۔ اس لیے اس کا ہر مرحلہ اور عنوان سخت کوشی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اقبال نے سخت کوشی کو اپنے فلسفے کا ایک اہم جزو قرار دیا ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ ہمارے نوجوان شیر کی طرح بہادر ہوں اور ان کی پرواز شاہین کی طرح بلند ہو۔ اقبال کے فلسفۂ خودی میں روحانی اور مادی امور کا سیلِ رواں ہے جو بہتا ہی چلا جاتا ہے۔ دینِ اسلام کی شان یہ ہے کہ وہ ایک مکمل نظامِ حیات

ہے۔اس دین میں روح اور مادہ کی کوئی تفریق نہیں ہے۔اقبال کا فلسفۂ خودی چونکہ اسلام کی تعلیمات پر استوار ہے اس لیے اس میں روحانیت اور مادیت کا امتزاج دیکھا جا سکتا ہے۔اقبال نے اپنے فلسفے کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر رکھی۔ان کا یہ عالم گیر فلسفہ ان کے بہت بڑے مفکر ہونے کی دلیل ہے۔

نطشے کا نظریہ فوق الانسان چونکہ اقبال کے نظریہ خودی کی ہیئت سے ملتا جلتا ہے اس لیے اقبال کو نطشے سے متاثر قرار دیا گیا۔مگر سچ یہ ہے کہ اقبال کا نظریہ خودی اسلامی تعلیمات اور قرآن سے ماخوذ ہے۔وہ مغرب کے فلسفیوں سے نہیں بلکہ صوفیا سے متاثر تھے۔علاوہ ازیں ایک اور عنصر جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا وہ اس وقت کے قومی حالات ہیں۔اقبال کے نظریے کے پہلے مخاطب مسلمان اور خاص طور پر ہندوستان کے مسلمان تھے۔اسی لیے انھوں نے خودی کی تعمیر میں فکرِ اسلامی سے بھرپور استفادہ کیا۔

اقبال کے آفاقی پیغام کا ہر موضوع ہی قابلِ تحسین ہے فکرِ اقبال بحرِ بے کراں کی صورت رواں دواں ہے اور اقبال نے جو بھی راہِ عمل تجویز کیا اس کی حدود تعلیماتِ اسلامی کی روشنی میں متعین کی ہیں۔ہر حوالہ میں استناد رسالت مآبؐ کی ذاتِ مبارک سے کیا ہے۔خودی کی نفی کو موت قرار دیتے ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ قطرہ سمندر میں مل کر اپنی ہستی کو ختم کر لے۔انھیں یہ بھی پسند نہیں کہ کرن سورج میں مل کر اپنا وجود کھو دے۔انھیں یہ بھی گوارا نہیں کہ ذرہ صحرا میں مل کر غبار ہو جائے۔وہ صحرا، سمندر اور سورج کے ساتھ ایک ہو جانے کے باوجود چاہتے ہیں کہ قطرہ، کرن اور ذرہ اپنی انفرادیت برقرار رکھے۔یہی شعورِ ذات اور یہی انفرادیت اس کی "خودی" ہے۔اس شعور کا فقدان خودی اور شخصیت کا خاتمہ ہے۔وہ انسان جو خود شناس نہیں وہ خدا شناس کیسے ہو سکتا ہے۔انسان کے تشخص کا یہ عمرانی پہلو فکرِ اقبال کو پُرکشش بنا دیتا ہے۔

مثنوی "اسرارِ خودی" شائع ہوئی تو اس کے شائع ہونے کے بعد ہی مشہور مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے مصنف سے اُس کے ترجمے کی اجازت حاصل کی مگر ترجمہ فاضل مستشرق کی دوسری مصروفیات کی وجہ سے 1920ء سے قبل شائع نہ ہو سکا۔مثنوی جس فلسفے کی حامل ہے اُس کا استخراج اور استنباط خود مثنوی سے اُس کی شاعرانہ حیثیت کی وجہ سے نسبتاً مشکل تھا اور خصوصاً مغربی دماغوں کے لیے اور بھی دشوار تھا۔چنانچہ فاضل مترجم نے اقبال کی اس فلسفیانہ مثنوی کو یورپ میں روشناس کرانے کے لیے خود مصنف

جلد نمبر06، شمارہ نمبر01، جون-2025

سے ہی اُس کی تشریح کے لیے استدعا کی۔ انھوں (اقبال) نے پہلے نظریہ خودی پر جو اُن کی مثنوی کی بنیاد ہے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ وقتی طور پر لکھ دیا۔ ڈاکٹر نکلسن نے اُس کو اپنے مختصر مقدمے میں شامل کر دیا۔ اُن کا اردو مقدمہ جو اس مثنوی کی پہلی اشاعت میں شامل ہے اور یہ انگریزی مقدمہ دونوں مل کر مثنوی اسرارِ خودی کے فلسفیانہ پس منظر کو سمجھنے کے لیے مفید ہیں۔ نکلسن کی رائے میں اقبال ایک مذہبی فلسفی یا متکلم ہیں۔ وہ جس طرح مشرقی خیالات کے ماہر ہیں اُسی طرح مغربی علوم کے بھی نقاد ہیں۔ وہ اپنے فلسفیانہ خیالات میں نطشے اور برگساں سے متاثر ہیں۔ اقبال نے اُن سے صحیح استفادہ کیا اور اپنا مستقل نظامِ فلسفہ پیش کیا۔ اُن کے احساسات ایک پرجوش مسلم کے احساسات ہیں۔ اُن کا اسلام سے یہ عقیدت مندانہ تعلق دنیا میں ایسی حکومت چاہتا ہے جس میں مسلمانوں کے لیے قومیت اور وطنیت کی رکاوٹیں حائل نہ ہو سکیں۔ اُن کا نصب العین ایک ایسی آزاد مسلم برادری کا قیام ہے جس کا مرکز کعبہ ہو اور جو ایمان اور ایقان کے ساتھ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر مضبوط عقیدہ رکھتی ہو۔ اقبال نے اپنی مثنوی میں اسی کی تعلیم دی ہے۔ اُن کی دور بین نظر نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ہندو عقلیت اور مسلم تصوف نے قوموں سے قوتِ عمل چھین کر اُن کو اپاہج بنا دیا ہے۔ حافظ شیرازی پر اُن کا انتقاد حقیقتاً اسی تباہ کن تصوف کے خلاف آوازِ احتجاج بلند کرنا ہے۔ اسی نکتہ نظر سے انھوں نے ایسے تصوری فلسفے اور متصوفانہ شاعری سے شدید اختلاف کیا جس میں عمل کے لیے کوئی گنجائش نہ ہو کیونکہ عمل سے ہی زندگی متحرک ہوتی ہے اور اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہیں ناپ سکتے۔ زندگی کے جاوداں، پیہم رواں اور ہر دم جواں رہنے میں انسان اہم کردار ادا کرتا ہے اور یہی کردار عمرانی تصورات کو فروغ دیتا ہے۔

مکارمِ اخلاق اور تزکیہ نفس کو اسلامی تصوف قرار دیا گیا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے عام مسلمانوں میں مذہبی ریاکاری کے بالمقابل تصوف کا ادارہ بے لوث اور پرخلوص اسلام کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ امام غزالی کی دین ہے کہ جنھوں نے تصوف کو علمی حلقوں میں بھی مقبول بنا دیا۔ اقبال عملی تصوف کو پسند کرتے تھے جو اخلاق، تزکیہ نفس، احترامِ آدمیت، مساواتِ انسانی، رواداری اور عالمگیر محبت سے عبارت ہے۔ تصوف وحدتِ انسانی، عالمگیر محبت اور انسان کی قوت و توانائی کا داعی ہے۔ اقبال جس دین کے داعی ہیں وہ اعلیٰ تصوف ہی ہے لیکن وہ قرونِ وسطیٰ کے تصوف سے مختلف ہے۔ یہ تصوف کی نئی تشکیل ہے اور عمرانیات میں اس انداز کی افادیت مسلّم ہے۔

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 01، جون-2025

اقبال کی صوفیانہ تعبیرِ اسلام روایتی صوفیہ کی تعبیر سے مختلف ہے۔ اقبال کے افکار کو مجدد الف ثانی کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اقبال اسلامی تصوف کی طرف نہ صرف مائل تھے بلکہ اس پر کاربند بھی تھے اور ان لوگوں سے بے زار تھے جنھوں نے روحانیت کو غیر اسلامی رنگ میں پیش کیا ہے۔ اسلامی تصوف اور عجمی تصوف اور یونانی اوہام اور ویدانت کے مابین بہت فرق بلکہ تضاد پایا جاتا ہے۔ اقبال کی شاعری سے یہ نتیجہ بجا طور پر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسلامی تصوف کے حامی تھے اور عجمی تصوف کے شدید مخالف تھے۔ تصوف کو شعر کے لیے پسند کیا گیا۔ حقیقی اور مجازی معنوں سے سجایا گیا۔ اقبال بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پروفیسر عبد الحق کہتے ہیں:

> ”حقیقت سے مجاز اور مجاز میں حقیقت کی تصویر فروزاں ہوتی ہے۔ تصوف کی اس تعلیم میں بڑی دل کشی تھی۔ اقبال جیسا مفکر شاعر بھی مدتوں اس کے دامن سحر سے دست بردار نہ ہو سکا“(6)

اقبال کے خیال میں تصوف ایسا پودا ہے جو اسلام کے لیے اجنبی ہے۔ اس کی پیدائش یونانی، عجمی اور ہندی تصورات کے بطن سے ہوئی۔ یہ تارک دنیا کا سبق دیتا ہے جبکہ مذہب کا مقصد عمل ہے ترک عمل نہیں۔ تصوف کے ساتھ سب سے زیادہ برا سلوک یہ ہوا کہ اس کا شعور نہ رکھنے والوں نے بھی اسے اپنے اشعار میں خوب برتا۔ اقبال وجودی تصورات کے قائل تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان تصورات میں تبدیلی بھی آئی۔ بعد ازاں یہ احتجاج اور بیزاری میں بدل گئی۔ اقبال نے امام ابنِ تیمیہ اور حضرت مجدد الف ثانی کی طرح بھرپور مخالفت کی۔ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ اقبال زندگی کے آخری ایام میں تصوف سے متاثر تھے۔ اقبال کے روشن ترین تصور توحید کے بعد ہمہ اوست کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اقبال نے اس حوالہ سے جو مضامین قلم بند کیے ہیں وہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

اقبال نے ”اسرار خودی“ میں تصوف کو موضوع بنایا اور خواجہ حافظ پر تنقید کی۔ لوگ خود تو تصوف کے بارے میں کچھ بھی نہ سمجھ سکے اور اقبال کی مخالفت شروع کر دی۔ اقبال بھی بھرپور مطالعہ رکھتے تھے اور سب کی مخالفت کا جواب دیا۔ اقبال اس حوالہ سے ایک کتاب بھی تخلیق کرنا چاہتے تھے مگر ایسا نہ کر سکے۔ جو چند ابواب اس کتاب کے حوالہ سے مکمل ہوئے تھے اس میں تصوف اور اسلام کے حوالے سے بھی کچھ اشارے پائے جاتے ہیں۔ اقبال نے اس میں موازنے کا انداز اختیار کیا جو بہت اہمیت رکھتا تھا۔

جلد نمبر06، شمارہ نمبر01، جون-2025

اسلام کے اقوال اور صوفیا کے اقوال ہیں جن میں تصادم اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ تصوف اور شاعری سے متعلق باب ہے جس میں فارسی کے (34) چونتیس اشعار بھی موجود ہیں۔ ان اشعار میں اسلامی شعائر کی ترویج و تنسیخ کا پہلو غالب ہے۔ عجمی شاعری نے مسلم معاشرے میں مکروہ تصورات کو پروان چڑھانے میں منفی کردار ادا کیا۔ اس طرح نظریہ حیات کو نقصان پہنچا۔ زندگی کے فلسفے سے کنارہ کش ہو جانا کہیں عمرانیات کا جزو نہیں رہا۔ اقبال کے نزدیک تشریعی قوانین انسانوں کی فلاح اور فروغ کے لیے کافی ہیں۔ کائنات کا نظام چلانے کے لیے قدرت کا منشا بھی یہی ہے۔ پیغمبروں کا مبعوث ہونا بھی فطرت کے مقاصد کی نگہبانی ہی ہے۔ خیر کثیر کا حصول اور ان کی برکتوں سے بہتر مندی تمام کوششوں کا حاصل ہے۔ اس نظام کے ضابطے متعین اور مشاہدات نظر کے سامنے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر دنیوی اور اخروی زندگی کو نصرت حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کے نظام میں باطنی مفہوم کی تلاش ایک متوازی فکر کو جنم دیتی ہے اور یہ فکر تاویلات کا پر فریب باب کھولتی ہے۔

اقبال پر جو اعتراضات تھے اقبال نے ان سب کا علمی انداز سے جواب دیا۔ آپ نے صوفیا کو مطمئن کیا اور ان کے اعتراضات کا بھرپور جواب دیا۔ اس طرح اقبال کی سچائی سامنے آ گئی۔ اقبال نے قرآن کو اصل الاصول بنا کر اپنا مدعا بیان کیا اور دیگر معاملات میں نہ الجھے۔ وہ تعلیم اور فکر جس کا تعلق قرآنی فکر سے تصادم رکھتا ہو، اقبال کے نزدیک وہ مکمل طور پر منفی ہے۔

تصوف کے موضوعات پر ابتدائی دور میں خواجہ حسن نظامی سے اختلاف بھی ہوا مگر آپ نے ان کی بات ٹال دی۔ اقبال کے دلائل میں ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“ کے بند بطور حوالہ استعمال کیے جا سکتے ہیں جہاں ابلیس خوشی کا اظہار کر رہا ہے کہ ہم نے ملا کو راہ راست سے بھٹکا دیا ہے تو دراصل یہ تارک دنیا ہونے کا پیغام دینا، بے عمل زندگی بسر کرنا اور معاشرے کی تشکیل میں کوئی اہم کردار ادا نہ کرنا ہے۔ میکش خیر آبادی نے اقبال کے بارے میں لکھا کہ:

> ”اقبال کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ علمائے ظاہر کی خشک تعلیم اور فلسفۂ مغرب کی سرد مادیت پر اقبال کی روحانیت رفتہ رفتہ فتح حاصل کرتی گئی ہے اور وحدت الوجود کی مخالفت کے ساتھ صوفی شعرا کی مخالفت بھی ختم ہو گئی“(7)

Research Journal
Tahqeed
تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 01، جون-2025

اقبال کو اگر کسی مفکر کے افکار سے کہیں اختلاف تھا تو اس کا برملا اظہار بھی کیا ہے۔ دراصل صوفیہ کی مقبولیت کے زمانے میں کچھ مفاد پرست اور نام نہاد لوگ پیدا ہو گئے جو تصوف کے ساتھ مخلص نہ تھے۔ وہ حلیہ اور لباس بدل کر صوفی بنتے تھے۔ عوام کو دھوکا دیتے تھے۔ اس طرح تصوف اپنی شکلیں بدلتا رہا۔ اقبال اگر ان افراد کے فکر و فلسفہ سے متاثر ہوئے ہیں تو اس کی وجہ بھی بیان کی ہے اور اگر اپنے پیر و مرشد مولانا جلال الدین رومی جیسے بزرگ کے صوفیانہ افکار سے مخالفت کی ہے تو وہ بھی واضح ہے۔

نکلسن کا اقبال کے متعلق یہ خیال صحیح ہے کہ وہ مغربی خیالات سے متاثر ہیں۔ جہاں تک نطشے سے متاثر ہونے کا تعلق ہے اقبال نے اس کا شدید انکار کیا ہے اور اُن کے لیے متاثر ہونا ناگزیر بھی تھا لیکن فلسفہ عجم کے ساتھ یہ ناانصافی ہو گی کہ اس کے خیالات کا ماخذ محض مغربی فلسفے کو قرار دیا جائے۔ اقبال کے نظام میں مغربی اور مشرقی دونوں قسم کے مفکرین کے نقطۂ نظر کی نمائندگی ہے اور اُن سب کو آمیز کر کے انھوں نے ایک مستقل فلسفیانہ نظام کی تشکیل کی ہے۔ خودی میں ڈوب کر زندگی کا راز ہاتھ میں آتا ہے۔ اس کے لیے حلقۂ شام و سحر سے نکل کر جاوداں ہونا پڑتا ہے۔ اگر اپنی خودی کی حفاظت کر سکیں تو زندگی کا شعور پیدا ہوتا ہے ورنہ سب کچھ فسوں کاری اور افسانہ ہے۔

اقبال شاعر ہی نہیں مفکر بھی ہیں۔ ان کی شاعری میں گرمی گفتار ان کے "فلسفہ خودی" کی وجہ سے ہے۔ خودی ان کے تصوفانہ فلسفے کا وہ بنیادی اصول ہے جس سے وہ خدا، انسان اور کائنات کی ہر شے کی تشریح کرتے ہیں۔ کائنات میں جو بھی چیز وجود رکھتی ہے اس میں کچھ خوبیاں اور کچھ صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ ہر لمحہ ان کو بہتر سے بہتر طور پر آشکار کرنے کی تگ و دو میں لگی رہتی ہیں۔ ان خفیہ صلاحیتوں کا اجاگر ہونا خودی کی نشو و نما کا پہلا مرحلہ ہے۔ جتنا بہتر طور پر کوئی چیز اپنے بنیادی خواص کو اجاگر کر لیتی ہے اتنی ہی اس میں انفرادیت نمایاں ہو جاتی ہے۔ ہر وجود کی انفرادیت ہی ان کی پہچان ہے اور ہر پہچان خود نمائی، خود آشکاری، خود آگہی اور خودداری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اقبال کے فلسفۂ خودی میں اس عمرانی پہلو کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اقبال کے یہاں ایک ہی اصول ذرّے سے آفتاب تک، انسان سے لے کر خدا تک کار فرما ہے۔ خدا ہر لمحہ خود کو آشکار کر رہا ہے۔ وہ خدا ہر روز نئی شان سے جلوہ افروز ہوتا ہے۔ ذرا مظاہر قدرت پر غور کیجیے۔ یہ کائنات ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے اور یہ عمل جاری و ساری

ہے۔شاید ابھی اس کائنات کی تکمیل نہیں ہوئی جو دمادم صدائے کُن فیکوں آ رہی ہے۔عمرانیات کا یہ مذہبی تصور معاشرے کے فرغ کا ضامن ہے۔

خودی کے اصول کے تحت اپنی خفیہ صلاحیتوں کو اجاگر کر کے سنگریزے بھی معدنیات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ایک بوند پانی سیپ میں بند ہو کر گوہر بن جاتا ہے۔کوئلہ کا ایک ٹکڑا ہیرے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔گویا خودی کسی شے کی خفیہ صلاحیتوں کو بہتر سے بہتر انداز میں اجاگر ہونے کا نام ہے۔اسی طرح جب کوئی فرد اپنے اندر انسانیت کے بنیادی خواص کو شعوری طور پر اجاگر کر لیتا ہے تو وہ قطب، ولی، قافلہ سالار اور عظیم انسان بن جاتا ہے۔ہمیشہ سے یونہی ہوتا رہا ہے۔جب کسی بھی شے یا کسی بھی وجود نے اپنی بنیادی خوبیوں کو اجاگر کیا وہ دوسری اشیا سے دوسرے افراد سے ممتاز ہو گیا بلکہ اس کا وجود امر ہو گیا۔

اگر تعمیر خودی ہو جائے تو خود انسان اپنا جہاں پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔نئی راہیں کھلتی جاتی ہیں اور نئے افق روشن ہوتے چلے جاتے ہیں۔اقبال کے نزدیک جو شخص اپنی خودی کی تعمیر کا خواہاں ہو اسے خود کو کسی بلند مقصد سے آشنا کرنا چاہیے۔پھر تکمیل خودی کے لیے کسی انسان کامل کی محبت اور پیروی، اسے صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیتی ہے۔علامہ اقبال کے نزدیک وہ شخص رسول پاکؐ کی طرح زندگی میں وہ مقام پا لیتا ہے جس کے سامنے بڑے بڑے شہنشاہوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔جس طرح تخلیقی مقاصد اور عشق و محبت، خودی کی بیداری اور استواری کا باعث ہوتے ہیں، اسی طرح سوال کرنا یعنی ہاتھ پھیلانا ذات کی خودی کو ضعف پہنچاتے ہیں اور کمزور کر دیتے ہیں۔انسان خود کو ہیچ اور بے حیثیت سمجھ کر ساز گار حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔اقبال اسی لیے نفی ذات کی سخت مذمت کرتے ہیں اور اسے قوموں کے زوال کا باعث قرار دیتے ہیں۔دستِ سوال دراز کرنے سے اعتمادِ ذات اور عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور خودی اور خودداری کی موت واقع ہو جاتی ہے۔اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کا احسان قبول نہ کرے اور نہ ہی دوسروں کی بخشش و کرم کی تمنا کرے۔سطوت اور اقتدار کی تمنا فطری امر ہے لیکن یہ سب ذاتی جدوجہد اور قابلیت سے حاصل کیا جانا چاہیے۔کسی دوسرے کی بیساکھیوں کے سہارے منزل تک پہنچنا مردانگی نہیں۔

خودی کی تربیت کے لیے مرحلہ اطاعت سے گزر کر ضبط نفس کی منزل تک پہنچنا لازمی ہے۔تربیت خودی کا مشکل ترین مرحلہ یہی ہے۔اقبال کے نزدیک آزادی کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ انسان جو بھی جی میں آئے کر گزرے بلکہ نظم و ضبط کا پابند ہونا ہی

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 01، جون-2025

آئین فطرت ہے۔ اپنی زندگی کو ضابطوں کے مطابق ڈھالنا ہی کامیابی کی دلیل ہے۔ کسی ضابطے کا پابند ہونا تن آسانی اور آرام طلبی کو جنم دیتا ہے۔ ضبط نفس کے لیے علامہ اقبال ارکان اسلام کو اپنانے کا درس دیتے ہیں۔ جب فرد واحد خودی کے ان مراحل سے گزر کر مردِ حق اور مرد کامل بن جاتا ہے اس طرح ایک بندۂ مومن خدا کا ہم راز ہو جاتا ہے۔ وہ خدا کا ہاتھ اور خدا کی زبان بن جاتا ہے۔ اس طرح اس کی خودی کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ نہایت اعلیٰ بلند مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ بن جاتا ہے اور پوری کائنات پر اس کی حکمرانی کا سکہ چلتا ہے۔ جب انسان اپنی خودی بیدار کر لیتا ہے تو وہ معزز اور بہترین ہستی بن جاتا ہے۔ خدا کے دربار میں اس کو ایک ایسا مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ خدا بندے سے خود اس کی رضا پوچھتا ہے۔

فکرِ اقبال کے موضوعات کا مطالعہ یہ نتیجہ اخذ کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ملت کے مسائل کا شعور پوشیدہ ہے۔ اس طرح فکرِ اقبال سے ابھرنے والے فن کو بامقصد سمجھنا چاہیے۔ اس کا مستقل پیغام اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ زندگی کی تعمیرِ نو اور تشکیلِ جدید ہر لمحہ جاری ہے۔ اقبال کا فکری محور اسلام ہے۔ اقبال کا فکری استحکام، بلند پایہ کلام اور طاقت ور پیغام ہی ایک احساس اور باشعور انسان کو مجبور کرتا ہے کہ اقبال کے پورے کلام کو مدِ نظر رکھے۔ اس لیے اقبال کے فلسفۂ خودی کے نکات سمجھنے کے لیے پورے کلام کو ذہن میں رکھنا اشد ضروری ہے۔

اقبال کا ترانہ گویا بانگِ درا ہے۔ اس نغمے کی آواز سے سبزہ بھی بیدار ہوا، ساتھ ہی چشمِ نرگس سے خواب بھی رخصت ہو گیا۔ اقبال نے شعر کا بیج بو کر فصلِ شمشیر کاٹی۔ اقبال نے آفتابوں پر کمند ڈالی اور اپنی مٹھی میں لاکھوں صبحوں کو بند کر لیا۔ اقبال نے باغ و بہار کی محفل کو برہم کر دیا اور رگِ عالم کا تار چھیڑ کر فرد کو بیدار کر دیا۔ اقبال ایسا نادر نوا ہے کہ اس کے فکر و فن کی آواز سن کر ساز بھی بکھر جائے۔ اقبال کے دل میں بہت سی بجلیاں خوابیدہ تھیں۔ کتنے ہی خواب تھے جو آب و گِل میں پوشیدہ تھے۔ اقبال کا ترانہ سن کر ذرّہ بھی جاگ اٹھتا ہے اور وہ جگنو بن کر ہر طرف پرواز کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اقبال نے بھٹکے ہوؤں کی رہبری فرمائی اور غلاموں کو ذوقِ سروری سکھا دیا۔

ایک رات اقبال کے خواب میں راقمِ قرآں بہ حفِ پہلوی پیرِ معنوی یعنی مولانا جلال الدین رومی تشریف لائے۔ انھوں نے اقبال کو جھنجھوڑا اور کہا کہ اپنے دل میں محشر پیدا کر۔ بیدار ہو اور دوسروں کو بھی متحرک کر۔ کلیوں کی طرح خاموش رہنے کی

ضرورت نہیں ہے بلکہ پھولوں کی طرح خوشبو عام کر دے۔یعنی اپنے افکار دوسروں کے سامنے عیاں کر دے۔ پیرِ رومی نے فرمایا کہ اے اقبال تو جرس ہے، گھنٹی ہے، بانگِ درا بن جا۔ پھر اپنے فکر و آگہی سے عالم کو بقعۂ نور کر دے۔ اپنا سوزِ نہاں عام کر دے تا کہ تیرے خیالات کی آگہی سے پورا جہان منور ہو جائے۔ رومی نے خواب میں اقبال کو پیغام دیا کہ رفتارِ کہن کے طرز سے کنارہ کر اور جادۂ نو پر رواں دواں ہو جا۔ اب خاموش رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ کائنات کے پوشیدہ اسرار جو ترے فکر و فن کا سرمایہ ہیں ،انھیں عام کر دے۔ مولانا روم نے اقبال کو درائے کارواں قرار دیا اور پیغام عام کرنے کی نصیحت فرمائی۔ یہی خواب "اسرارِ خودی" کی تمہید ثابت ہوا۔

یہ سن کر اقبال کے رگ وپے میں آگ بھڑک اٹھی۔ پھر اقبال نے قوم کی بیداری کا نسخۂ کیمیا پیش کیا۔ اقبال کی آواز سن کر سبھی دم بہ خود رہ گئے۔ اقبال نے اپنے ہاتھ میں خودی کے اسرار تھامے اور یہ فیض عام کرنا شروع کر دیا۔ اقبال کی پُر سوز صدا نے ذرے کو تابندگی عطا کی۔ اس ذرے نے بال و پر نکالے تو وہ جگنو بن کر ضیا بار ہو گیا۔ فکرِ اقبال میں معانی کے موتیوں کا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری سے جو راز افشا کیے ہیں، کوئی دوسرا فکر و نظر کا ایسا سرمایہ نہ لٹا سکا۔ اس لیے اقبال نے جو مثنوی "اسرارِ خودی" قلم بند فرمائی اس کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ کسی قسم کی شاعری کے کمالات دکھانا نہیں ہے۔ اقبال یہ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ دوسرے شعرا کی مانند کوئی نیا بت آراستہ کرتا چلوں اور بت پرستی کا پیغام عام کرتا چلوں۔ اقبال کا مقصد الفاظ کی تراش خراش نہ تھا اور نہ ہی شعبدہ گری اور فنی چابک دستی سے دلوں کو لبھانا، ان کا مقصد تھا بلکہ اقبال نے تو قوم کو سرفرازی کا راستہ دکھایا تا کہ قوم کا وقار سر بلند ہو۔

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست　　　　بُت پرستی بُت گری مقصود نیست (8)

علامہ اقبال کے احباب اور ارادت مندوں کا حلقہ بے حد وسیع تھا۔ اقبال کی ان کے ساتھ خط و کتابت رہتی تھی۔ اقبال کے ان خطوط کے بہت سے مجموعے شائع ہو چکے ہیں جو مطالعہ اقبال کا ایک اہم اولین ماخذ ہیں۔ ان میں اقبال کے بارے میں سوانحی مواد موجود ہے اور فکر اقبال کے ارتقا کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ فکر اقبال کی توضیح و تشریح کے اعتبار سے بھی یہ خطوط بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اقبال کے فکر و شعر کے مطالعے کی تحریک نصف صدی سے زائد عرصے پر پھیلی ہوئی ہے۔ کچھ مدت سے ان کے خطوط

اور دیگر تحریروں اور بیانات کی تلاش و دریافت کا سلسلہ جاری ہے اور اب ان کے خطوط کو مختلف زاویوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ ان سے مطالعہ اقبال میں مدد لی جا رہی ہے۔ اقبال کے فکر و شعر کو سمجھنے اور اس پر حاشیہ آرائی کرنے والوں میں کئی طرح کے لوگ شامل ہیں۔ جہاں ایسے اہل فکر و نظر اصحاب ہیں جو اقبال کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ کر اس کے ذہن کی وسعتِ پرواز کا احاطہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ پروفیسر اے آر نکلسن کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر اور ممتاز مستشرق تھے، اسلامی تصوف ان کا خاص میدان تھا، علامہ اقبال کی مثنوی ''اسرار خودی'' کا پروفیسر نکلسن نے 1920ء میں انگریزی میں ترجمہ کیا۔ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ:

> ''اس ترجمے کی اشاعت سے علامہ اقبال یورپ میں ایک مفکر کی حیثیت سے روشناس ہوئے،
> علامہ کے افکار پر مغرب پر تنقید و تبصرے کا آغاز ہوا''(9)

مثنوی ''اسرار خودی'' کے انگریزی ترجمہ نکلسن کی اشاعت کے بعد انگلستان کے رسائل و اخبارات میں اس پر جو تبصرے شائع ہوئے، ان میں عموماً اقبال کے فلسفہ خودی پر بحث نظر آتی ہے۔ اقبال روحانی قوت کے قائل تھے لیکن یاد رہے کہ حق و صداقت کے لیے جسمانی قوت کا استعمال جائز ہے۔ مسائلِ انسان کو عظیم شخصیتیں ہی حل کر سکتی ہیں اور ایسے شخص کا وجود مفید ثابت ہو سکتا ہے جس کے اندر پیغمبری اور شاعری کے اوصاف جمع ہوں۔ نکلسن کے ترجمے کے بارے میں بعض غلط فہمیوں کا اظہار کیا گیا تھا، چنانچہ 24 جنوری 1921ء کو اقبال نے ڈاکٹر نکلسن کے نام ایک مفصل خط لکھا، جس میں انھوں نے اپنے موقف کی وضاحت کی تھی، اقبال کا یہ خط کئی جگہ شائع ہو چکا ہے۔(10)

مسٹر ڈکنس کا تبصرہ تھا جس میں اقبال کو زیادہ دلچسپی محسوس ہوئی اور انھوں نے اس کے بارے میں کچھ معروضات پیش کیں۔ اقبال نے اپنے خط میں یہ نصیحت بھی فرمائی کہ براہ کرم میرا یہ خط ان تک پہنچا دیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ اپنے تبصرے کے بارے میں وہ میری رائے جاننا پسند فرمائیں گے۔ اقبال کا خیال تھا کہ میرے نام مسٹر ڈکنس کے ذاتی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ان کا خیال یہ ہے کہ میں نے اپنی نظم (مثنوی اسرار خودی) میں جسمانی قوت کی تکریم کی ہے لیکن یہ ان کی رائے نہیں ہے۔ میں روحانی قوت پر یقین رکھتا ہوں نہ کہ جسمانی قوت پر۔ میرا ایمان یہ ہے کہ اگر کسی قوم کو حق کی حمایت یا حفاظت کے لیے للکارا جائے تو اس کا فرض ہے کہ جہاد کرے لیکن میں ہر طرح کے حرب و ضرب کا مخالف ہوں۔ میرے نزدیک ڈکنس کی یہ رائے

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 01، جون-2025

بالکل درست ہے کہ جنگ بہر حال ایک تخریبی عمل ہے خواہ حق و انصاف کے لیے لڑی جائے یا فتوحات اور استحصال کے لیے۔ بہر صورت جنگ کا سد باب ہونا لازم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ معاہدے، صلح نامے، ثالثی یا پنچائتی فیصلے، جنگ کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ اگر زیادہ کوششیں کی جائیں تب بھی طاقت ور، مہذب اور حوصلہ مند قومیں، کمزور اور پس ماندہ قوموں کے استحصال کے لیے بظاہر زیادہ پر امن اور مہذب حربے اختیار کریں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے سماجی مسائل حل کرنے، اور اپنے باہمی تنازعوں کو طے کرنے کے لیے ہمیں ایک جیتی جاگتی شخصیت درکار ہے جو بین الا قوامی اختلافات کے لیے یقینی بنیادیں فراہم کر سکے۔

اقبال حقیقتِ شعر کے حوالے سے خاص نظریات کے قائل تھے۔ انھوں نے شعر کی حقیقت بیان کی اور ادبیات اسلامیہ کی اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیا۔ شاعر خوب کو خوب تر بنا دیتا ہے۔ اس کے جلوں سے جہان محبوب تر ہو جاتا ہے۔ شاعر کی ہستی میں سیکڑوں بحر و بر پوشیدہ ہوتے ہیں اور اس کے دل میں بہت سے تازہ جہان آباد ہوتے ہیں۔ شاعر مہ و انجم کا ہم نشیں ہوتا ہے۔ فکرِ اقبال کا مطالعہ یہ پیغام عام کرتا ہے کہ جس قوم کے شعرا میں ذوقِ حیات نہیں ہے وہ مرنے کی بات کرتی ہے۔ جو شاعر زہر کو دوا کا نام دیتا ہے اس کے جادو سے دور ہی رہنا چاہیے۔ ایسے شاعر کے نغمے دل کا سکون چھین لیتے ہیں۔ ایسا شاعر وسوسوں میں جھونک کر عمل سے کنارہ کشی سکھا دیتا ہے۔ ایسا شاعر صرف مرنے کا فن سکھاتا ہے۔ اقبال نے سختی سے ہدایت کی کہ بلبل کی لبھا دینے والی صدا سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے پھولوں کے ڈھیر میں سانپ سو رہا ہو۔ اقبال نے خودی کے مراحل بیان کرتے ہوئے غفلت شعار کو اطاعت کا سبق دیا۔ اپنی خواہشات کے لگام کو بھی اپنے ہاتھ میں قابو رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیابت کے رتبے سے سرفراز کیا ہے۔ قوم کے لیے اخوت کا پیغام عام کرنا چاہیے۔ یہی عمرانی تصورات ہیں جو معاشرہ کو مستحکم کرنے میں کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔ اقبال کا تصورِ خودی افراد کی تربیت کا نصاب فراہم کرتا ہے۔ اس طرح انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف سرود آفریں عناصر خوش آمدید کہتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی تربیت اور اتفاق مضبوط معاشرے کی دلیل ہے۔ عمرانیات کا یہ پہلو خودی اور بے خودی کے بہ غور مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ فکرِ اقبال کا کارواں جادہ پیا ہے۔ اپنے نشترِ تحقیق کی حفاظت مقدم رہے ۔ستاروں کے جگر چاک کیجیے اور مہِ کامل بن کر کواکب کو حیران کیجیے۔ قطعیت کسی بھی چیز کو حاصل نہیں۔ نئی دنیا تخلیق کیجیے اور نئے

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر06، شمارہ نمبر01، جون-2025

نتائج سامنے لاکر تسخیرِ کائنات کی طرف رواں دواں رہیں۔نکتہ ہائے دقیق کا دامن چیر دیجیے اور ضعف و کاہلی کی عادت ترک کیجیے۔اپنی خودی بلند کیجیے کہ زندگی کا جوہر یہی خودی ہے۔

حوالہ جات

(1)اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلد اول،مرتبہ،سید مظفر حسین برنی،دہلی:اردو اکادمی،1999ء،ص:225

(2)ہاشمی،رفیع الدین،ڈاکٹر،تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،طبع دوم،2001ء ص:77

(3)سید عبد اللہ،ڈاکٹر،مقاماتِ اقبال،کراچی:اردو اکیڈمی سندھ،طبع اول جولائی1959ص:59

(4)اقبال،اسرارِ خودی،ترتیب،شائستہ خان،نئی دہلی:مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،1993ء،ص:ل

(5)اقبال،کلیاتِ مکاتیبِ اقبال،جلد دوم،مکتوب بنام نکلسن ،مرتبہ،سید مظفر حسین برنی،دہلی:اردو اکادمی،1991ء،ص:236

(6)عبد الحق،پروفیسر،اقبال اور اقبالیات،سرینگر بہ مالو میزان پبلشرز رجسٹرڈ،2009ء،ص:99

(7)عبد الحق،پروفیسر،اقبال اور اقبالیات،ص:108

(8)اقبال،کلیاتِ اقبال فارسی،اسرارِ خودی،لاہور:غلام علی پرنٹرز،فیروز پور روڈ،س ن،ص:11

(9)شعبہ اقبالیات،علامہ اقبال کی تحریروں کا متن،703،اسلام آباد:علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،2005ء،ص:38

(10)افتخار احمد صدیقی،ڈاکٹر،فروغ اقبال،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان1996ء،ص:106